پروفیسر غلام احمد حریری

رسول اکرمؐ کی فصاحت و بلاغت

فصاحت و بلاغت کا مفہوم

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کو موضوع بحث بنانے سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ فصاحت و بلاغت ہے کیا چیز، اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے فصیح و بلیغ ہونے سے کیا مراد ہے؟

امام بلاغت تفتازانی مطوّل میں فرماتے ہیں کہ فصاحت کے لغوی معنی جھاگ اتارنے کشف و ظہور اور طلوعِ سپیدئی سحر کے ہیں۔ اصطلاحاً کسی کلمہ کے فصیح ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کو بسہولت ادا کیا جا سکے اور ذوق سلیم پر اس کا تلفظ بار نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ نادر الاستعمال اور زبان کے معروف قواعد کے خلاف نہ ہو۔ فصیح کلام وہ ہوتا ہے جو ضعفِ ترکیب سے پاک ہو۔ اس کے کلمات کو آسانی سے ادا کیا جا سکے۔ اور اس کے معنی و مفہوم میں کوئی اجمال و ابہام نہ پایا جاتا ہو۔

بلاغت کے لغوی معنی پہنچنے اور مقصد کو پا لینے کے ہیں۔ علم معانی کی اصطلاح میں کلام بلیغ یا متکلّم بلیغ وہ ہے جس کی گفتگو موقع و محل کے عین مطابق ہو۔ جہاں سادہ عبارت سے کام چل جائے۔ وہاں زور کلام صرف نہ کیا جائے۔ اور جہاں زورِ بیان کی ضرورت ہو تاکید و تکلّف کا سہارا لے۔ بایں طور کسی کلام میں فصاحت و بلاغت دونوں کا پایا جانا اس کی اعلیٰ ترین صفات میں شمار ہوتا ہے اور جو متکلّم فصیح ہونے کے ساتھ ساتھ بلیغ بھی ہو اسے اعلیٰ پائے کا خطیب تصور کیا جاتا ہے۔

نبوت اور فصاحت کا تلازم

تقریر و خطابت نبوت کا ضروری عنصر ہے۔ اور کامیاب خطابت کیلئے فصاحت و بلاغت ازبس ضروری ہے۔ موضوعات اور الفاظ کا انتخاب، فقروں کی ساخت، آواز کا اتار چڑھاؤ،

لہجہ کا اسلوب اور زور بیان ۔ یہ ساری چیزیں متکلم کی شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہیں ۔ ہر رسول اور نبی کی بنیادی حیثیت ایک داعی کی ہوتی ہے ۔ تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیۂ نفوس کے لئے لوگوں سے اس کا رابطہ ضروری ہوتا ہے ۔ جس کے لئے واحد ذریعہ تکلم ہے ۔

اللہ تعالےٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کے منصب پر فائز کر کے فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو انھوں نے ان الفاظ میں معذرت کی ۔

يَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي	میرا سینہ تنگ ہے ۔ میری زبان روانی سے محروم
فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ (البقرہ ١٣)	ہے ۔ اے اللہ تو ہارون کو نبی بنا دے ۔

نیز ملتجانہ انداز میں دعا فرمائی :۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۔ وَ	کہا اے رب ! میرا سینہ کھول دے میرا کام آسان کر
يَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن	دے میری زبان کی گرہ کو کھول دے تاکہ وہ میری بات
لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي (طٰہٰ ٢٥-٢٨)	کو سمجھ لیں ۔

سورۃ القصص میں یہ الفاظ ہیں کہ :۔

هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا (القصص ٣٤)	اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے

گویا ہارون علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت لسانی اس امر کی موجب ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی سے مانگ کر انہیں اپنی مدد کے لئے طلب فرمایا ۔

موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں یہ لکنت کیسے پیدا ہوئی ۔ اس ضمن میں ابن کثیر نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ بچپن کے عالم میں ایک روز فرعون کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ فرعون کی داڑھی جواہرات سے مرصع تھی ۔ بچوں کی عادت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے داڑھی پر ہاتھ چلا دیا ۔ چمکتے ہوئے موتیوں کے ساتھ فرعون کی داڑھی کے چند بال بھی اکھڑ گئے ۔ فرعون کو سخت غصہ آیا اور چاہا کہ ان کو قتل کرا دے ۔

فرعون کی بیوی آسیہ مومنہ تھیں ۔ انھوں نے شوہر کا یہ رنگ دیکھا تو عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ بچہ ہے ، اس کو نہ مارو ، یہ ایسے آداب کیا جانے ۔ اس کے نزدیک تو تمرہ (کھجور) اور جمرہ (چنگاری) دونوں برابر ہیں ۔ فرعون نے کہا کہ میں ابھی اس کا امتحان کرتا ہوں ۔ اگر اس نے چنگاری کو دیکھ کر ہاتھ کھینچا تو ضرور قتل کرا دونگا ۔ خداوند تعالےٰ نے موسیٰ سے کام لینا تھا ۔ لہذا جب فرعون نے کھجور کے چند دانے اور آگ کے سرخ انگارے موسیٰ

کے سامنے رکھے حضرت موسیٰؑ نے جلد ہاتھ بڑھا کر ایک گرم انگارے کو اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ لمحہ بھر کا کام تھا۔ سو ہو گیا مگر زبان پر داغ پڑ گیا۔ اس وقت سے موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت آگئی اور گفتگو میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے موسیٰؑ نے اس گرہ کا ذکر کیا۔ (البدایہ والنہایۃ۔ ص ۲۴۹)

جو چیز موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ربانی سے مانگ کر لی تھی۔ سید الانبیاء کو خود بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا۔

انا افصح العرب بعثت بجوامع الکلم" (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱)	میں تمام عربوں میں فصیح ترین ہوں۔ مجھے کلمات جامعہ دے کر بھیجا گیا ہے۔

عرب میں اگرچہ ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت کا مدعی تھا تاہم تمام عرب میں دو قبیلے اس وصف میں نمایاں امتیاز کے حامل تھے۔ قریش اور بنو ہوازن۔ قریش خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ تھا۔ بنو ہوازن کے قبیلے میں آپ نے پرورش پائی تھی۔

اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا:۔

انا اعربکم انا من قریش و لسانی لسان بنی سعد بن بکر (طبقات ابن سعد)	(میں تم میں سے فصیح تر ہوں۔ میں قریشی ہوں اور میری زبان بنو سعد بن بکر کی زبان ہے۔

قریش مکہ کے ایک ممتاز فرد اور قبیلہ بنو سعد کی فضاؤں میں تربیت پانے کی وجہ سے عرب کی فصیح ترین زبان سے تو آراستہ تھے ہی۔ وحی کی لسانِ مبین نے حسنِ گفتار کو اور بھی صیقل کر دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا جہاں ادبی معیار بہت بلند تھا۔ وہاں اس میں عام فہم سادگی بھی پائی جاتی تھی۔ پھر کمال یہ کہ کوئی گھٹیا اور بازاری لفظ زبانِ مبارک پر نہیں آیا اور نہ کبھی مصنوعی طرز کی زبان پسند فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت اور اپنے مشن کے پیش نظر خود ایک اپنی زبان پیدا کی تھی۔ چنانچہ حضور کے ایک قول "الحرب خدعۃ" (جنگ چالوں سے لڑی جاتی ہے) پر بحث کرتے ہوئے مشہور ادیب "ثعلب" کہتا ہے کہ "ھی لغۃ النبی" یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص زبان تھی۔ آپ نے بے شمار اصطلاحات بنائیں، تراکیب پیدا کیں اور تشبیہیں اور تمثیلیں وضع کیں۔ خطابت کا نیا انداز نکالا اور بہت سے مروج الفاظ و اسالیب کو متروک ٹھہرایا۔

ایک مرتبہ بنو فہد کے لوگ آئے تو گفتگو ہوتی رہی ۔ سامعین نے تعجب سے کہا کہ "اے اللہ کے نبیؐ! ہم آپ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں ۔ ایک ہی جگہ پرورش پائی ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ آپ ایسی عربی میں بات کرتے ہیں جس کی لطافتوں کو ہم میں سے اکثر نہیں سمجھ سکتے ۔ فرمایا:

"ان اللہ عزّوجل ادبنی فاحسن ادبی و نشات فی سعد بن بکر" — میری تربیت خود اللہ تعالےٰ نے فرمائی ہے اور میرے ذوقِ ادب کو خوشتر بنا دیا ہے ۔ نیز میں نے قبیلہ بنی سعد کی فضا میں پرورش پائی ہے ۔

ایک موقع پر کسی ملاقاتی سے بات ہوئی ۔ حضرت ابوبکرؓ سن رہے تھے ۔ پوچھا یہ شخص آپؐ سے کیا کہہ رہا تھا اور آپؐ نے کیا فرمایا؟ حضورؐ نے وضاحت فرمائی ۔ اس پر جناب صدیق اکبرؓ کہنے لگے۔

میں عرب میں گھوما پھرا ہوں ۔ فصحائے عرب کا کلام سنا ہے ۔ لیکن آپؐ سے بڑھ کر کلامِ فصیح کسی اور سے نہیں سنا حضورؐ نے یہاں پھر یہی بات فرمائی "ادبنی ربی ونشات فی بنی سعد"

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ کہنے لگے "اے اللہ کے رسول کیا بات ہے کہ آپ فصاحت میں ہم سب سے بالاتر ہیں ۔ حالانکہ آپ ہم میں سے کبھی الگ نہیں ہوئے ۔ آپؐ نے فرمایا:

"کانت لغۃ اسماعیل قد درست نجاء نی بہا جبریل نفطینہا" — حضرت اسماعیل کی زبان صفحہ کائنات سے مٹ گئی تھی ۔ اسے جبرئیلؑ مجھ تک لائے اور میرے ذہن نشین کرا دی ۔

(المواھب اللدنیہ ج ۱ ۔ ص ۲۵۶)

مطلب یہ ہے کہ حضور کی زبان عام عربی نہ تھی ۔ بلکہ خاص پیغمبرانہ زبان تھی ۔ جس کا جوڑ اسماعیلی زبان سے ملتا تھا اور جبرئیل جس زبان میں قرآن لاتے تھے وہ بھی پیغمبرانہ زبان تھی ۔ یہ امر پیش نظر رہنا چاہیے کہ انبیاء کرامؑ جو مشن لے کر آتے ہیں اس میں مقصد کی عظمت معنوی گہرائی پیدا کرتی ہے ۔ مخلصانہ جذبات اسے ادبی چاشنی دیتے ہیں اور کردار کی بلندی اُسے پاکیزہ بنا دیتی ہے ۔

خطابت نبویؐ

تکلّم کا ایک اہم جزو خطابت ہے ۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم پیغام کے حامل تھے ۔ اور اس کے لئے خطابت ناگزیر تھی

خطابت یوں تو عربوں کی دولت تھی۔ پھر قریش تو اس صفت سے خاص طور پر مالا مال تھے۔ عرب اور قریش کے خطیبانہ ماحول سے حضور بہت بلند رہے۔ فریضہ نبوت نے جب بھی تقاضہ کیا آپؐ کی زبان مبارک کبھی نسیم سحر کی، کبھی آب جو کی طرح اور تیغ برق دم کی طرح متحرک ہو جاتی۔ وعظ و تقریر کی کثرت سے آپ نے پرہیز کیا، معاشرہ کی ضرورت کے پیش نظر اعتدال سے قوت خطابت کا استقبال کیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سادہ طریقے پر خطبہ دیتے تھے۔ آپ جب اپنے حجرے سے خطبہ دینے کے لئے نکلتے تو سلاطین کی طرح نہ خدم وحشم ساتھ ہوتے نہ آپ خطباء کا لباس پہنتے تھے۔ ہاتھ میں صرف ایک عصا ہوتا تھا۔ میدان جنگ میں تقریر کرنا ہوتی تو کمان پر ٹیک لگاتے (ابن ماجہ)

جمعہ اور عیدین کا خطبہ تو متعین تھا۔ لیکن اس کے علاوہ خطبے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا جب ضرورت پیش آتی۔ آپ فی البدیہہ خطبہ دینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے زمین پر، منبر پر، اونٹ پر جس جگہ جیسا موقع پیش آیا خطبہ دیا ہے۔ جوش بیان کا یہ حال تھا کہ آنکھیں سرخ اور آواز نہایت بلند ہو جاتی تھی۔ غصہ بڑھا جاتا تھا۔ انگلیاں اٹھتی جاتی تھیں۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی فوج کو جنگ کیلئے ابھار رہے ہیں۔ جوش بیان میں جسد مبارک جھوم جھوم جاتا تھا۔ ہاتھوں حرکت دینے سے پٹھوں کے چٹخنے کی آواز آتی تھی کبھی مٹھی بند کر لیتے تھے کبھی کھول دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی پرجوش حالت کی نہایت فصیح تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

"میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر خطبہ دیتے سنا فرما رہے تھے کہ خداوند صاحب جبروت آسمان و زمین کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ یہ بیان کرتے ہوئے حضورؐ مٹھی بند کر لیتے تھے۔ پھر کھول دیتے تھے۔ آپؐ کا جسم مبارک کبھی دائیں، کبھی بائیں جھکتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے منبر کو دیکھا تو اس کا نچلا حصہ اس قدر ہل رہا تھا کہ میں نے خیال کیا کہ آپ کو لے کے نیچے گر پڑے گا۔

(صحیح مسلم، ج ۱ ص ۳۱۹، ابن ماجہ، مسند احمد جلد ۱، ص ۴۰۲)

تقریر میں بعض مواقع پر فرماتے "والذی نفس محمد بیدہ" "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے" لہجے میں بھی اور چہرے پر بھی دل کے حقیقی جذبات

جھلکتے اور سامعین پر اثر انداز ہوتے۔ اس خطیب اعظم کے خطبات دلوں کو ہلا کر رکھ دیتے تھے۔ یہاں اس کی صرف دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

غزوہ حنین میں آپؐ نے تمام مال غنیمت مکہ کے نومسلموں کو دے دیا اور انصار محروم ہوگئے۔ چند نوجوانوں کو یہ بات ناگوار گزری تو انھوں نے کہا۔

"خدا پیغمبر کی مغفرت کرے۔ قریش کو دیتا ہے اور ہم کو چھوڑ دیتا ہے۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے ابھی تک ان کا خون ٹپک رہا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو انصار کو ایک خیمہ میں جمع کر کے اصل حقیقت دریافت فرمائی۔ لوگوں نے کہا "چند نوجوانوں نے یہ بات کہی ہے ہم میں جو صاحب الرائے تھے انھوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ واقعہ کی تحقیق کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا:

"کیا یہ سچ نہیں کہ تم لوگ گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعے تم کو ہدایت دی۔ تم منتشر اور پراگندہ تھے خدا نے میرے ذریعے سے تم کو متحد کیا؟ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعے سے تم کو آسودہ حال؟

ہر سوال پر انصار کہتے جاتے تھے کہ بے شک اللہ اور رسولؐ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ آپؐ نے فرمایا "تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ اے محمدؐ! تم اس حالت میں آئے تھے کہ لوگ تمھاری تکذیب کرتے تھے ہم نے تمھاری تصدیق کی۔ تمھارا کوئی مددگار نہ تھا۔ ہم نے تمھاری مدد کی۔ تم گھر سے نکالے ہوئے تھے ہم نے تم کو جگہ دی۔ تم مفلس تھے ہم نے ہر طرح تمھاری مدد کی۔ تم جواب میں یہ کہتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے گروہ انصار! کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم مجھ کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ"۔ (صحیح بخاری جلد دوم ص ۶۲۰)

اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ وہی انصار جو چند لمحے پہلے رنجیدہ خاطر ہو رہے تھے اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں۔ دل کا سارا غبار آب کوثر کے ان قطروں سے دھل گیا۔ (صحیح مسلم، باب فتح مکہ)

کلام کا اتار چڑھاؤ دیکھئے، خنجر خطابت کی دھار کو دیکھئے جو نازک جذبات سے صیقل کی گئی تھی۔ پھر اس کی روانی دیکھئے، مطالب کے موڑ دیکھئے، پھر غور کیجئے کہ کس طرح

خطیبِ اعظمؐ نے مطلوبہ کیفیت سامعین میں پوری طرح ابھار دی۔ انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ "ہم کو صرف محمد رسول اللہ مطلوب ہیں"۔

آغازِ دعوت میں کوہِ صفا کے خطبہ کے علاوہ متعدد دفعہ آپ نے قریش کے سامنے تقاریر فرمائیں۔ ایک خطبہ کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔

ان الرائد لا یکذب اھلہ	قافلے کا دیدبان اپنے ساتھیوں کو کبھی غلط
واللہ لو کذبت الناس جمیعاً، ما کذبتکم، ولو غررت الناس جمیعاً ما غررتکم	اطلاع نہیں دیا کرتا خدا کی قسم اگر (بالفرضِ محال) میں اور سب لوگوں سے جھوٹ کہنے پر تیار بھی ہو جاتا۔ تب بھی تم سے غلط بات نہ کہتا۔
واللہ الذی لا الہ الا ھو انی لرسول اللہ الیکم خاصۃً والی الناس کافۃ واللہ لتموتن کما تنامون ولتبعثن کما تستیقظون ولتحاسبن بما تعملون ولتجزون بالاحسان احساناً وبالسوء سوءً وانھا جنۃ ابداً او النار ابداً۔	اگر (بالفرضِ محال) میں دوسرے لوگوں کو ہلاکت و خطرہ سے دوچار کر دیتا تو بھی تم کو کبھی خطرہ میں مبتلا نہ کرتا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں میں تمہاری طرف خصوصیت سے اور تمام انسانوں کی طرف بحیثیت مجموعی خدا کا مقرر کردہ رسول ہوں۔ بخدا تم کو لازماً مرنا ہے۔ جیسے تم سو جاتے ہو۔ اور مرنے کے بعد تم کو جی اٹھنا ہے، جیسے کہ تم نیند سے بیدار ہو جاتے ہو۔ تم سے لازماً تمہارے کاموں کا حساب لیا جانا ہے۔ تمہیں بھلے کا بدلہ بھلا اور برے کا بدلہ ضرور ملنا ہے۔ پھر یا تو ہمیشہ کے لئے جنت ہو گی یا ہمیشہ کے لئے دوزخ۔
(جمہرۃ الخطب ص ۵)	

کس قدر سادہ اندازِ بیان ہے۔ کتنی عقلی اور جذباتی اپیل ہے۔ داعی کی خیر خواہی ایک ایک لفظ سے ٹپکتی پڑتی ہے۔ یقین کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ چھوٹے سے اس خطبے میں تمثیل سے کام لیا گیا ہے۔ توحید رسالت اور آخرت کی بنیادی دعوت پوری طرح سموئی ہوئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معرکہ آرا خطبے دو اور ہیں۔ جن میں سے ایک فتح مکہ کے

موقع پر اور دوسرا حجۃ الوداع کے موقعہ پر دیا گیا۔ ان خطبوں کا مزاج انتہائی انقلابی ہے۔ ان میں ایمان، اخلاق اور اقتدار تینوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ حجۃ الوداع کا خطبہ تو گویا ایک دورِ نو کے آغاز کا اعلان ہے۔

کتب حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کسی ترتیب کے بغیر جمع کر دیئے گئے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف حیثیتیں تھیں، اور اس کا اثر آپ کے طرز بیان پر پڑتا تھا۔ آپ دین کے داعی تھے، فاتح تھے۔ واعظ تھے۔ امیر الجیش تھے۔ قاضی تھے پیغمبر تھے۔ اس اختلافِ حیثیت نے آپ کی خطابت اور زورِ بیان میں نہایت اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ اور بلاغت کا تقاضا بھی یہی ہے آپ داعی ہونے کے اعتبار سے جو خطبہ دیتے تھے اس میں نہایت زور اور جوش پیدا ہو جاتا تھا اور اس وقت آپ کی حیثیت بالکل ایک امیر الجیش کی ہوتی تھی۔

فاتحانہ حیثیت سے آپ نے صرف فتح مکہ کے موقع پر ایک تقریر کی تھی جس کے جستہ جستہ فقرے کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ مکہ عرب کے نزدیک نہایت مقدس شہر، حرم ایک دارالامان تھا جس میں کبھی خون ریزی نہیں ہو سکتی تھی۔ فتح مکہ میں سب سے پہلے اس کے دامن پر خون کا دھبہ لگایا گیا ہے۔ اور چونکہ مذہب کے نام پر لگایا گیا تھا۔ اس لئے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ ہمیشہ کے لئے اس کا یہ احترام مٹ نہ جائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی دونوں پہلوؤں پر اپنی تقریر میں زور دینا تھا۔ آپؐ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ان اللہ حرم مکۃ یوم خلق	خدا نے جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا
السماوات والارض فی حرام	اسی دن مکہ کو حرام ٹھہرایا۔ پس وہ خدا کی عطا
بحرمۃ اللہ الی یوم القیامۃ لم	کردہ حرمت کی وجہ سے حرام ہے۔ وہ میرے
تحل لاحد قبلی ولا تحل	پہلے نہ کسی پر حلال ہوا۔ اور نہ میرے بعد کسی
لاحد بعدی ولم تحل	پر حلال ہوگا۔ اور میرے لئے بجز چند گھنٹوں
لی الا ساعۃ من الدھر۔ لا	کے ہرگز حلال نہیں ہوا۔ نہ اس کے شکار کو
ینفر صیدھا ولا یعضد	بھگایا جا سکتا ہے نہ اس کے کانٹے کو کاٹا
شوکھا ولا یختلی خلاھا ولا	جا سکتا ہے۔ نہ اس کی گھاس کاٹی جا سکتی ہے

تحل لقطتها الا المنود۔	نہ اس کی گم شدہ چیز حلال ہو سکتی ہے بجز اس
(صحیح بخاری)	کے جو اس کو تلاش کر رہا ہو۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے مہتم بالشان خطبہ وہ ہے جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر دیا تھا۔ یہ خطبہ احکام کا مجموعہ ہے جس کو قدرۃً خشک اور روکھا پھیکا ہونا چاہیئے تاہم فصاحت و بلاغت، روانی اور شستگی الفاظ کے لحاظ سے یہ خطبہ بھی اور خطبوں سے کم نہیں۔ آپ نے حمد و نعت کے بعد اس خطبہ کی اہمیت اس طرح ظاہر کی۔

ایھا الناس اسمعوا فانی لا	لوگو سنو! کیوں کہ شاید میں
ادری لعلی لا القاکم بعد	اس سال کے بعد اس جگہ اس مہینہ
عامی ھذا فی موقفی ھذا فی	میں اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں"
شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا	(صحیح بخاری)

"کیا جانتے ہو آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو علم ہے"۔

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "یوم الحرام" ہے۔ کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا "بلد الحرام ہے"۔ کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا یہ شہر حرام ہے۔

اسی طرح جب لوگوں کے دل میں اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کا خیال تازہ ہو گیا تو آپ نے اصل مقصد بیان فرمایا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا: "خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو، تم پر اس مہینہ میں، اس شہر میں، اور اس دن کی حرمت کی طرح حرام کیا ہے۔ بعد میں کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو"۔

آپ نے ان الفاظ میں مساوات کی تعلیم دی:۔

ان ربکم واحد، ان	تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک تم
اباکم واحد۔ کلکم من	سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی کے بنے
آدم و آدم من تراب ان	خدا کے نزدیک تم میں شریف تو وہ ہے جو

موقع پر اور دوسرا حجۃ الوداع کے موقعہ پر دیا گیا۔ ان خطبوں کا مزاج انتہائی انقلابی ہے۔ ان میں ایمان، اخلاق اور اقتدار تینوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ حجۃ الوداع کا خطبہ تو گویا ایک دورِ نو کے آغاز کا اعلان ہے۔

کتب حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کسی ترتیب کے بغیر جمع کر دیئے گئے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف حیثیتیں تھیں اور اس کا اثر آپ کے طرز بیان پر پڑتا تھا۔ آپ دین کے داعی تھے، فاتح تھے۔ واعظ تھے۔ امیرالجیش تھے۔ قاضی تھے پیغمبر تھے۔ اس اختلافِ حیثیت نے آپ کی خطابت اور زورِ بیان میں نہایت اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ اور بلاغت کا تقاضا بھی یہی ہے آپ داعی ہونے کے اعتبار سے جو خطبہ دیتے تھے اس میں نہایت زور اور جوش پیدا ہو جاتا تھا اور اس وقت آپ کی حیثیت بالکل ایک امیرالجیش کی ہوتی تھی۔

فاتحانہ حیثیت سے آپ نے صرف فتح مکہ کے موقع پر ایک تقریر کی تھی جس کے جستہ جستہ فقرے کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ مکہ عرب کے نزدیک نہایت مقدس شہر، حرم ایک دارالامان تھا جس میں کبھی خون ریزی نہیں ہو سکتی تھی۔ فتح مکہ میں سب سے پہلے اس کے دامن پر خون کا دھبہ لگایا گیا ہے۔ اور چونکہ مذہب کے نام پر لگایا گیا تھا۔ اس لئے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ ہمیشہ کے لئے اس کا یہ احترام مٹ نہ جائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی دونوں پہلوؤں پر اپنی تقریر میں زور دینا تھا۔ آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ان اللہ حرم مکۃ یوم خلق	خدا نے جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا
السماوات والارض فی حرام	اسی دن مکہ کو حرام ٹھہرایا۔ پس وہ خدا کی عطا
بحرمۃ اللہ الی یوم القیامۃ لم	کردہ حرمت کی وجہ سے حرام ہے۔ وہ میرے
تحل لاحد قبلی ولا تحل	پہلے نہ کسی پر حلال ہوا۔ اور نہ میرے بعد کسی
لاحد بعدی ولم تحل	پر حلال ہوگا۔ اور میرے لئے بجز چند گھنٹوں
لی الا ساعۃ من الدھر۔ لا	کے ہرگز حلال نہیں ہوا۔ نہ اس کے شکار کو
تنفر صیدھا ولا یعضد	بھگایا جا سکتا ہے نہ اس کے کانٹے کو کاٹا
شوکھا ولا یختلی خلاھا ولا	جا سکتا ہے۔ نہ اس کی گھاس کاٹی جاسکتی ہے